© rasailojaraid.com

اصلاحِ معاشرہ کی تعبیر

(مولانا علی میاںؒ کے افکار کی روشنی میں)

ڈاکٹر حافظ فدا حسین ☆

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۹۹ء) کا تعلق بریلی (انڈیا) کے سادات خاندان سے تھا اور آپ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ عالمگیر شہرت کی شخصیت کے حامل تھے۔ وسیع العلم اور کثیر التصانیف تھے۔ آپ کی کتابوں کو عرب وعجم نے پڑھا اور ان سے استفادہ کیا۔ سادگی' زہد و استغنا عن الخلق' تعلق مع اللہ' تواضع وانکساری اور استحکامِ ملت کے لیے تڑپ اور بے قراری ان کے امتیازی اوصاف ہیں۔ ان کے والد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ بے نظیر کتاب ''نُزھة الخواطر'' کے مصنف ہیں۔ عبداللہ الاشتر مولانا علی میاں کے پہلے جد امجد تھے جنہوں نے اپنے خون سے سندھ کی سرزمین کو سیراب کیا۔ ان کے دوسرے جد امجد سید احمد شہید (م ۱۸۳۱ء) سکھوں سے لڑتے ہوئے بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

مولانا علی میاںؒ عالمِ اسلام کی صاحبِ علم وسیرت اور صاحبِ بصیرت شخصیت تھے۔ آپ بنیادی طور پر عالم ومعلم' اردو' عربی کے صاحبِ طرز انشا پرداز' ممتاز ومنفرد مؤرخ' سیرت نگار' ایک روشن ضمیر صوفی و بزرگ اور سب سے بڑھ کر اسلام کے بین الاقوامی داعی اور ترجمان تھے۔ ذمہ دار شہری اور دردمند انسان تھے۔ تحریک پیامِ انسانیت کے ذریعے ان کی تحریر وتقریر کا بنیادی موضوع انسانیت کی اصلاح' تعمیر انسانیت اور ایک بہتر معاشرے اور سماج کی تشکیل رہا۔ ان کی تمام تصانیف' خواہ ان کا تعلق براہِ راست انسان اور انسانیت سے تھا یا تاریخ' تفسیر' مذہب یا تمدن سے' بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے شذراتِ فکر کے نمونے ہر تصنیف' تحریر اور تقریر میں موجود رہے۔ انہوں نے اپنی تصانیف —— مثلاً تحفہ انسانیت' پیامِ انسانیت' مذہب وتمدن' مقامِ انسانیت' انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر' محسن عالم صلی اللہ علیہ وسلم' دنیا میں آنے والے انسانی چمن کے پھول یا کانٹے' نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم' تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات' انسانیت کے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم' ایک بہتر ہندوستانی سماج کی تشکیل میں اسلام کا حصہ' انسانی علوم کے میدان میں اسلام کا انقلابی وتعمیری کردار' انسانیت کی رہنمائی میں اسلام کا عظیم کردار' وغیرہ —— میں اپنی زندگی کے عمیق مشاہدوں' لامحدود تجربوں' علمی فتوحات' فکری گہرائیوں اور تاریخی سچائیوں کو شستہ اور دلنشیں پیرایہ بیان میں پیش کیا ہے۔ مولانا اپنی اعلیٰ تنقیدی بصیرت' علمی وسعت' فکری گہرائی وگیرائی اور منطقی استدلال کے ذریعے اپنے قارئین اور سامعین کو اپنا گرویدہ بنا لینے کا ہنر

☆ ڈپٹی کنٹرولر (سیکریسی) ثانوی واعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ' ملتان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانتے تھے۔اس پر ان کا دلآویز اور شگفتہ اسلوبِ بیان گفتگو اور تحریر میں دلکشی پیدا کر کے دلچسپی کا سامان بھی فراہم کر دیتا ہے۔ان میں اپنے موقف کو مؤثر انداز میں پیش کرنے کی خداداد صلاحیت بھی موجود تھی۔دوسرے لفظوں میں ان کی تحریر اور تقریر ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کے مصداق تھی۔علم وقلم کے ذریعے باطل شکن تلواروں کو ڈھالنے کا سلیقہ سکھانے والے تھے۔مولانا عالم اسلام کی سیاسی' معاشی اور مذہبی صورت حال پر گہری نظر رکھتے تھے' بالخصوص برعظیم پاک و ہند کے سیاسی' تہذیبی' معاشی اور مذہبی مسائل پر انہوں نے اپنے مختلف مقالات اور تصانیف میں جس دقتِ نظری اور وسعتِ مطالعہ کا ثبوت فراہم کیا ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

معاشرہ وہ شاخ ہے جس سے انسانیت کی زندگی وابستہ ہوتی ہے' اس لیے جس شاخ پر ہمیں نشیمن بنانا ہے اس شاخ کی فکر اور حفاظت کی ذمہ داری ہماری اولین ضرورت ہے۔اگر شاخ نہیں رہے گی تو پھر نشیمن کے وجود کا سوال ہی بے کار ہے۔معاصر اسلامی دنیا میں کوئی ملک یا معاشرہ ایسا نظر نہیں آتا جس میں اسلامی زندگی کی بھرپور عکاسی پائی جاتی ہو۔

اس وقت دنیائے اسلام کی سب سے بڑی ضرورت ملکی سطح پر ایسے صحیح اسلامی وفلاحی معاشرہ کا قیام ہے جس کے وجود کو محسوس کیا جا سکے' اس لیے کہ صالح' پاکیزہ اور طاقت ور معاشرہ اقتدار اور تہذیب کی بنیاد اور اس کا سرچشمہ ہے اور وہ اپنے افراد کے حقوق کا لحاظ رکھتا ہے۔اس کے مقابلہ میں حکومت اور اقتدار کی حیثیت ثانوی ہے۔ اگر معاشرہ صالح' ایماندار' عزتوں کے محافظ اور ذمہ دار افراد پیدا کر رہا ہے تو پھر ان حالات میں حکومتوں کے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا بلکہ صالح معاشرہ وقت کے ساتھ ساتھ ذمہ دار حکومتیں عطا کرتا رہے گا۔مثلاً ہندوستان میں محمود غزنوی کے حملے کے بعد شہاب الدین محمد غوری اور قطب الدین ایبک نے اسلامی سلطنت کو مضبوط کیا جس کے نتیجے میں پورا ہندوستان مسلمانوں کے زیر نگیں آ گیا۔ان کے بعد ہندوستان میں کئی خاندانوں کی حکومتیں بنتی رہیں لیکن اسلامی حکومت میں صالح اور صحت مند معاشرے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آیا۔ (۱)

صالح اور صحت مند معاشرہ کے افراد اخلاقِ حسنہ کی ضرورت اور اہمیت کے قائل بھی ہوتے ہیں اور حامل بھی۔انہیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ مسلمان جھوٹ نہیں بولتا' ناپ تول میں کمی نہیں کرتا' دھوکہ نہیں دیتا' زر کا پرستار نہیں ہوتا ہے' وقتی منافع کے لیے دائمی منافع کو قربان نہیں کرتا' اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا' ظلم نہیں کرتا' دھوکہ نہیں دیتا۔مسلمان کو بڑی سے بڑی سیم وزر کی تھیلی اور بڑی سے بڑی پیشکش خرید نہیں سکتی' وہ اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرتا' جس بات کو حق سمجھتا ہے اس پر اپنا گھر لٹا سکتا ہے' سر کٹا سکتا ہے' اس پر اپنے خاندان کو خطرہ میں ڈال سکتا ہے' اپنے پیٹ پر پتھر باندھ سکتا ہے' فاقہ کر کے مر سکتا ہے' لیکن کفر وضلالت اور ظلم وستم کا راستہ اختیار نہیں کر سکتا۔ (۲)

لہٰذا ایسا صالح اور ظلم سے پاک معاشرہ قائم کیا جائے جس پر تمدن سوار نہ ہو بلکہ اس معاشرہ نے تمدن کو اپنے زانو کے نیچے رکھا ہو۔اس نے زندگی کی آسائشوں کو اپنا تابع بنا رکھا ہو' وہ کسی شرعی حد سے تجاوز نہ کرتا ہو' وہاں رشوت کا وجود نہ ہو اور اس کے کسی جج کو طاقت یا دولت سے غلط فیصلہ کرنے پر آمادہ نہ کیا جا سکتا ہو۔وہاں اگر کسی کمزور سے کمزور پر ظلم ہو تو وہ طاقتور سے طاقتور آدمی بن جاتا ہو۔اس حوالہ سے قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿١١٦﴾ ﴾ (ھود)

''جو نسلیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں' ان میں ایسے صاحب شعور کیوں نہ ہوئے جو ملک میں بگاڑ پھیلنے سے روکتے؟ ہاں ایسے تھوڑے سے تھے جن کو ہم نے ان میں سے بچالیا' اور جو ظالم تھے وہ عیش وآرام کے انہی اسباب کے چکر میں پڑے رہے جو ان کے لیے مہیا کیے گئے تھے اور وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔''

جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''تم میں بڑے سے بڑا قوی میرے نزدیک کمزور ہے اگر وہ ظلم کرے گا' اور تم میں سب سے زیادہ کمزور طاقتور ہے اگر اس پر ظلم ہو''۔ مطلوبہ صالح معاشرہ کے قیام کے لیے درج بالا قرآنی آیت پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔

مولانا کے خیال میں مذکورہ صفات کا حامل معاشرہ ہی آئیڈیل اور صالح معاشرہ کہلانے کا حق دار ہے اور اسی معاشرے کی راہ دنیا دیکھ رہی ہے۔ عصر حاضر میں اگر انسانیت کی کوئی خدمت ہوسکتی ہے تو وہ ایک آزاد' طاقتور اور صالح معاشرہ کا قیام ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جاہ طلبی' حصولِ اقتدار کی چاہت اور شخصی مفادات سے اجتناب کیا جائے' کیونکہ یہ چیزیں معاشروں اور قوموں کو کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر زمانے میں اسلامی مملکت کو جو کچھ نقصان پہنچا وہ ہماری دورنگی / تضادِ عملی اور مفاد پرستوں سے پہنچا ہے۔ ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کی دعوت کس نے دی اور خود اس کا کیا انجام ہوا؟ حکومت عباسیہ کے زوال کا سبب اپنے ہی بااثر اور صاحب اختیار' خلیفہ مستعصم کے زیرو زبر ابن علقمی اور ان کے رفیق نصیر الدین طوسی تھے جو مارِ آستین اور خنجر در بغل ثابت ہوئے۔ لیکن تاتاریوں نے خود ابن علقمی کو بھی یہ کہہ کر قتل کر دیا کہ جو اپنوں کا وفادار نہیں ہوا تو ہمارا وفادار کس طرح ہوسکتا ہے؟ آپ ہندوستان کی تاریخ پڑھیں گے تو میر جعفر اور میر صادق کے نام سامنے آئیں گے' جن کے متعلق اقبال نے کہا ہے ؎

جعفر از بنگال و صادق از دکن — ننگِ آدم' ننگِ دیں' ننگِ وطن!

مذہبی اختلافات کو ہوا دے کر' گروہی پروپیگنڈا کر کے' ملک میں اعتقادی یا سیاسی انتشار پیدا کر کے اور مال و دولت اور منصب کے ذریعے اپنا گرویدہ بنا کر جعفر و صادق اس زمانہ میں بھی سامنے آسکتے ہیں۔ آج پوری دنیائے اسلام کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ کوئی ایسا معاشرہ تیار ہو جائے جس کی طرف انگلی اُٹھا کر ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکیں کہ اسلام کو دیکھنا ہو تو اس معاشرہ کو دیکھ لو۔ (۳)

مولانا علی میاںؒ نے عالمِ اسلام کے معاشرہ کی بابت اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ان معاشروں میں مفاد پرستی کے ساتھ ساتھ مادیت کا غلبہ اور دولت کی فراوانی دیکھ رہے ہیں جس کی وجہ سے زندگی کا معیار تیزی سے بلند ہو رہا ہے۔ دولت کی فراوانی سے لوگوں کے اخلاق بدل جاتے ہیں اور دولت مند افراد ہی کو چاہے جتنے ہی برے کیوں نہ ہوں' قابل عزت شخصیت تصور کیا جاتا ہے۔ دولت کا عزیز و اقارب' والدین' بہن بھائی' اولاد' ہمسائے اور معاشرہ کے دیگر افراد کے ساتھ تعلقات پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انہیں محسوس ہو رہا ہے کہ لوگ معیارِ زندگی کے بلند ہونے کی وجہ سے اپنی عادتوں کے غلام بن گئے ہیں۔ جبکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری طرف اہل عرب میں اسلامی فتوحات کا اصل راز صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قوتِ ایمانی تھی جس کو دنیا بھر نے تسلیم کیا۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی بہت سادہ تھی' وہ اپنی عادتوں کے غلام نہیں تھے اور انہوں نے بھوکا رہنا سیکھا ہوا تھا۔ لہٰذا عادات کی غلامی سے نجات حاصل کرنا ناگزیر ہے جس کے لیے دولت کے حصول میں مسابقت کے جذبے اور دوڑ سے اجتناب کرنا ہوگا اور یہی وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ (۴)

عالمِ اسلام کی معاشرتی شکست وریخت کے عوامل

اندلس کی تاریخ میں مدینة الزهراء اور قلعة الحمراء کی تاریخ کا تفصیلی مطالعہ کیجیے۔ وہ سب کچھ' خواب وخیال اور جن وپری کی باتیں معلوم ہوں گی۔ اندلس کی سرزمین میں دو بڑے عنصر اسلام کے زوال کا باعث ہوئے ہیں۔ ایک معیاری زندگی کی بلندی اور اللہ کی دی ہوئی دولت کا غلط استعمال اور دوسرے یہ کہ اشاعت اسلام اور معاشرے کو اسلامی بنانے کے بجائے انہوں نے فنونِ لطیفہ' شعر وشاعری اور ادبیات وغیرہ پر ساری توجہ مرکوز کررکھی تھی۔ دولت کا بے جا خرچ' اپنی عظمت یا اہمیت کا اظہار' معیارِ زندگی کی روز افزوں ترقی' ضروریات کی فہرست میں مسلسل اضافہ اور ان کو ضروری وشرطِ زندگی سمجھ لینا' یہی وہ خرابیاں ہیں جنہوں نے ایرانی ورومی تمدن کو عذابِ جاں بنا دیا تھا۔ آپ دیکھیں گے کہ زیادہ تر قوموں کا زوال ان کے تمدن کی خرابی سے ہوا ہے۔ مولانا نے عالم اسلام کی معاشرتی اور سیاسی صورتِ حال کا نہ صرف گہرا مطالعہ کیا بلکہ غیر جذباتی اور منطقی استدلال کے ساتھ اس کا خوبصورت تجزیہ بھی کیا۔ انہوں نے عالم عربی/عالم اسلام کی معاشرتی زندگی کو شکست وریخت سے دوچار کرنے والے درج ذیل تین عوامل کی نشاندہی کی ہے:

(۱) فروعی مذہبی اختلافات (۲) مختلف النوع تعصّبات (۳) جماعتی گروہ بندیوں میں غلو

یہ وہ عوامل ہیں جن سے معاشرے کے اندر عدم استحکام پیدا ہوتا ہے اور معاشرہ سے اخوت' بھائی چارہ' ہمدردی' حسن سلوک اور اخلاقِ حمیدہ ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ نتیجتاً معاشرتی زندگی شکست وریخت کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔ ذیل میں ان عوامل پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے:

(۱) فروعی مذہبی اختلافات: مولانا علی میاں کے مطابق عالم اسلام میں مذہبی فروعی بحثیں بہت زیادہ جنم لے رہی ہیں۔ اگرچہ یہ اختلافات ہمیشہ سے رہے ہیں لیکن جب فروعی اختلافات علماء اور اہل علم سے نکل کر عوام میں آجائیں تو یہ بحثیں نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ مختلف اختلافی مباحث ومسائل علماء تک محدود ہونے کی چیز ہے' کوچہ اور بازار کی نہیں۔ جب فروعی اختلافات عوامی شاہراہوں پر گھومنے پھرنے لگیں تو اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ معاشرہ افتراق کا شکار ہو کر شکست وریخت کی کیفیت سے دوچار ہونا شروع ہو جاتا ہے اور نتیجتاً امت کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے۔ لہٰذا معاشرتی استحکام کے لیے اختلافی مسائل کو بالائے طاق رکھنا بہت ضروری ہے۔ (۵)

کسی بھی معاشرہ کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ عصر حاضر کے علماء اور دانشور طبقہ اپنے اندر مطلوبہ صفات پیدا کرے۔ اس حوالے سے مولانا علی میاںؒ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے: ''اَیُنْقَصُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ'' ابوبکر زندہ ہو اور پھر اللہ اور رسول اللہ کے دین میں کوئی قطع وبرید ہو جائے؟ یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے جیتے جی دین میں کمی ممکن نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ:

''میں ایک تجربہ کار سیاح اور تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے کہنا چاہتا ہوں کہ انبیاءعلیہم السلام کو چھوڑ کر سب سے بڑا تاریخ ساز' انقلاب انگیز' عہد آفرین جملہ جس نے ایک نئی تاریخ کی بنیاد ڈالی' ذہنوں میں انقلاب برپا کیا' ہزاروں مصلحین' مفکرین' فلاسفر اور عظیم ترین انسان پیدا کیے' پوری ادبیات عالم میں اور ادیان و مذاہب کی تاریخ میں اور معاشرہ پر اثر ڈالنے والے جملوں کی فہرست میں کسی نے اتنا اثر نہیں ڈالا جتنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جملے أینقص الدین و انا حیّ (میرے جیتے جی دین میں کمی ہو؟) نے اعتقادی' ذہنی' فکری اور عملی اعتبار سے اسلامی تاریخ میں ڈالا۔ یہی وہ کلمہ ہے جو دل کی ترجمانی کرنے والا اور لوحِ دل پر نقش کرنے کے لائق ہے۔ اللہ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دین کی بقا و حفاظت کے لیے پیدا فرمایا تھا' اگر آپؓ عزیمت اور استقامت سے کام نہ لیتے تو دین اسلام کی بقا خطرہ میں تھی۔ آج منکرین زکوٰۃ نے اسلام کے ایک رکن پر حملہ کیا تھا' کل آہستہ آہستہ دوسرے ارکانِ اسلام پر حملہ کیا جاتا۔ دیگر مذاہب و ادیان کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب ترمیم و تحریف کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو پھر وہ نہیں رکتا۔ یقیناً صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ قیمتی اور وزنی فقرہ شاعروں کے دیوان اور اسلامی ادبیات میں اپنا ممتاز مقام رکھتا ہے۔'' (۶)

لہٰذا علماء کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اپنا احتساب کرتے ہوئے یہ دیکھیں کہ انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول کو کہاں تک اپنا اصول اور دستور العمل بنایا ہے' نیز ان کے ہوتے ہوئے اسلامی معاشرہ کے زوال کا کوئی جواز ہے؟ وہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ماضی میں جن ممالک میں اسلام دشمن طاقتیں غالب آئیں ان میں دو چیزیں بہت بنیادی تھیں' پہلی چیز علماء کا باہمی اختلاف اور دوسری چیز یہ تھی کہ علماء کا عوام سے رابطہ نہیں تھا۔ ان کی شخصیتیں اتنی مؤثر نہیں تھیں کہ عوام کے قلوب میں دین کا احترام اور علماء کا وقار رکھتیں۔ (۷)

مولانا نے علماء و دانشوروں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عصرِ حاضر میں بھی ہم اسی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں جس کی بابت مولانا کی صورت میں ایک زمانہ شناس اور دور اندیش مفکّر نے بہت پہلے خبردار کر دیا تھا۔ مولانا علی میاں علماء کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ درس کے حلقوں اور علمی مجالس میں اختلافی مسائل پر آزادی سے گفتگو کریں اور اس پر تحریری کام بھی کریں لیکن اس کی آڑ میں کسی بھی صورت ملک اور ملکی سالمیت کو داؤ پر نہ لگائیں۔ بصورتِ دیگر جس میں احساسِ برتری پیدا ہو گا اس کے مقابل دوسرا محاذ بن جائے گا اور وہاں سے صدائے ''ہم چوں من دیگرے نیست'' بلند ہونے لگے گی۔ اس لیے عوامی مجالس اور حلقوں میں فروعی مذہبی اختلافات سے گریز کیا جائے بلکہ ان حلقوں میں باہمی اخوت و محبت' بھائی چارہ اور اتحاد کو فروغ دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ ندویؒ نے پوری زندگی اپنی توجہ کا مرکز و محور تعمیر انسانیت کو بنایا اور تاحیات ''اتحاد بین المسلمین'' کے داعی رہے' کیونکہ ان کے نزدیک انسان کی تخلیق تعمیر انسانیت اور اتحادِ اُمت کے لیے ہوئی ہے۔ حضرت مجدّد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ کے مکاتیب پڑھیے۔ ہندوستان کے اس دور میں جب مسلمانوں کے اقتدار کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور سلطنت مغلیہ دم توڑ رہی تھی' احمد شاہ ابدالی کو شاہ ولی اللہ نے ایک مفصل خط لکھا جس میں انہیں بتایا کہ مسلمان اس وقت کس بے بسی کی حالت میں ہیں۔ موجودہ خطروں اور اندیشوں میں اس کی کیا گنجائش ہے کہ علماء آپس میں دست و گریباں ہوں۔ نتیجتاً عوام آلۂ کار بن جائیں گے اور پورا ملک میدانِ جنگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن جائے گا۔علامہ اقبال کا شعر ہے ؎

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے؟ فقیہہ وصوفی وشاعر کی ناخوش اندیشی!(۸)

الغرض علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عوام میں اپنے رابطے کو بڑھاتے ہوئے انہیں ہمہ قسم تعصبات و مذہبی فروعی اختلافات سے دُور رکھیں اور اپنی زندگی میں سیرت کی بلندی‘ زہد و استغنا‘ روحانیت اور اخلاقِ عالیہ پیدا کریں اور ’’پدرم سلطان بود‘‘ کی گردان کو ترک کر دیں۔ اختلافی مسائل میں تسامح اور متفق علیہ مسائل میں توافق سے کام لیں۔ اسی طرح معاشرہ کے افراد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے مذہبی فروعی اختلافات سے اجتناب کریں اور ان اختلافات کو علماء کے لیے چھوڑ دیں۔

(۲) مختلف النوع تعصّبات: مولانا کے خیال میں معاشرے کے استحکام کو شکست و ریخت سے دوچار کرنے والا دوسرا عنصر عصبیت ہے‘ خواہ یہ عصبیت لسانی‘ نسلی‘ خاندانی‘ صوبائی ہو یا علاقائی‘ کیونکہ کوئی بھی معاشرہ مختلف عصبیتوں کی موجودگی میں مستحکم نہیں رہ سکتا۔ ان کے نزدیک اسلام اربابِ دنیا کے چھوٹے چھوٹے مقاصد سے جنم لینے والی چھوٹی چھوٹی وحدتوں سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ اس کی دلچسپی صرف اور صرف دو حقیقی وحدتوں سے ہے اور یہ دونوں وحدتیں دنیا کی بے ضرر ترین وحدتیں ہیں۔ ان میں ایک وحدتِ انسانیت اور دوسری وحدتِ ایمان ہے۔ ان دونوں وحدتوں کی موجودگی میں چھوٹی چھوٹی تمام وحدتیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ عصبیتیں دوسرے ممالک میں بھی پائی جاتی ہیں‘ لیکن ان عصبیتوں کی عالم عربی/ عالم اسلام میں موجودگی خیر کی علامت نہیں‘ کیونکہ ان عصبیتوں کی موجودگی میں دیگر ممالک ان سے فائدہ اٹھانے اور اپنے اغراض کا آلۂ کار بنانے کے لیے عوام کو استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر کسی معاشرے میں زبان یا علاقائی فخر اور احساسِ برتری کا بھوت کسی صوبے یا علاقے پر سوار ہو جائے اور پوری قوم اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے تو ایسی صورت میں بیرونی دنیا کے لوگوں کو جو پیغام جائے گا اس سے بیرونی مبصروں اور سیاحوں کو مایوسی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

مولانا علی میاںؒ نے اس بات کی وضاحت کے لیے مکہ اور مدینہ کی خوبصورت مثال پیش کی ہے۔ مکہ اور مدینہ دو مختلف تمدنوں کے حامل علاقوں کے نام ہیں‘ جن کی بنیاد تہذیب یا معاشرہ کی وحدت پر نہیں تھی بلکہ زبان کی وحدت تھی‘ مگر اس میں بھی لہجوں کا اتنا فرق تھا جو ایک کو دوسرے سے دور رکھنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اور پھر اہل مدینہ کے مقابلے میں اہل مکہ کا احساسِ برتری اور خود مدینہ میں اوس وخزرج قبائل کا دو الگ قوموں کی طرح معرکہ آرا ہونا‘ یہ تمام اختلاف اسلام کے اس تصورِ وحدت نے مٹا دیے جو بقول مولانا علی میاں اپنے اندر مقناطیسیت رکھتا ہے۔

صوبائی اور لسانی تعصب جب کسی پر سوار ہو جائے اور پوری قوم کو اس پر قربان کر دینے کا جذبہ پیدا ہو جائے تو یہ حقیقی خطرات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور معاشرے میں لسانی‘ تہذیبی اور علاقائی جھگڑوں کے احیاء کا فتنہ سر اُٹھاتا ہے۔ لہٰذا معاشرتی اور ملکی استحکام کے لیے ناگزیر ہے کہ لسانی‘ صوبائی‘ نسلی اور تہذیبی عصبیت سے اجتناب کیا جائے۔ اسی لیے شیخ ندوی نے عالمِ عرب/ عالمِ اسلام میں وطنیت اور قومیت کا نعرہ لگانے والوں اور تعصب پرستی کو ہوا دینے والوں پر کڑی تنقید کی ہے۔(۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن کریم میں اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪﴾ (الحجرٰت)

''اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں، اور اپنے (مؤمن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام (رکھنا) گناہ ہے، اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔''

لہٰذا انفرادی اور وقتی مسائل میں اُلجھنے سے اجتناب کیا جائے اور ہر شخص کی عزتِ نفس کا خیال کیا جائے۔(۱۰)

(۳) <u>جماعتی گروہ بندیوں میں غلو</u>: مولانا علی میاں تیسرا خطرہ سیاسی پارٹیوں کے خودغرضانہ کردار کو سمجھتے ہیں۔ سیاسی پارٹیوں میں موجود خودغرض اور مفاد پرست طبقہ ملک کے وسیع تر مفادات کو پس پشت ڈال کر ذاتی خواہشات اور پارٹی کے مفادات کو اہمیت دیتا ہے اور اپنی مخالف حکومت کی جا و بے جا مخالفت کرتے ہوئے ریاست کو نقصان پہنچانے کا باعث بنتا ہے۔ ان کے مطابق خودغرضی اور نفس پرستی ایک چراغ سحری ہے جس کا تیل ختم ہو چکا ہے۔ خودغرضی اور انانیت، شخصی ہو یا خاندانی، جماعتی ہو یا طبقاتی، قوموں کی زندگی کے لیے ایک غیر طبعی چیز ہے، جس سے اس کو پہلی فرصت میں چھٹکارا حاصل کرنا چاہیے۔ مولانا کی ہمدردی اور محبت وتعاون ہر گروہ سے تھا۔ کسی ایک گروہ سے باضابطہ ایسا تعلق نہیں تھا کہ دوسروں کو وہ غیر سمجھنے لگ گئے ہوں۔ عمر بھر ان کا یہی طریقہ رہا اور اسی پر کاربند رہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر طبقے میں مقبولیت عطا فرمائی۔ مولانا کسی بھی ملک میں سیاسی پارٹیوں کے وجود کے مخالف نہیں۔ وہ سیاسی پارٹیوں کے سیاسی شعور اور کردار کے معترف ہیں، کیونکہ یہ پارٹیاں کسی فردِ واحد یا کسی بھی مفاد پرست ٹولے کو من مانی کرنے سے روکتی ہیں، لیکن جب یہ پارٹیاں اپنے ذاتی مفادات کو مقدم رکھتے ہوئے ملکی معاملات پر اظہارِ خیال کرتی ہیں یا کوئی قدم اٹھاتی ہیں تو ان کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے نقصان صرف مخالف پارٹی ہی کو نہیں اٹھانا پڑتا بلکہ بسا اوقات ریاست کو بھی اس کی بھاری قیمت چکانا پڑتی ہے۔

مولانا علی میاںؒ نے بڑی دردمندی کے ساتھ کہا تھا کہ ''اب اسلام کی تاریخ اور مسلمانوں کے صبر وتحمل میں اس کی بالکل گنجائش نہیں کہ کوئی دوسرا ملک اسپین بنے''۔ اس وقت ملت اسلامیہ اسپین اور خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد کسی بھی حادثے کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اسپین سے مسلمانوں کے اخراج کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ انہوں نے اپنے ماحول کو درست نہیں کیا۔ نیز جو خرابیاں اور خطرات اُس وقت اسپین میں تھے وہی آج عالمِ عرب / عالمِ اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ وہاں قبائلی عصبیت نے گل کھلائے جس کے نتیجے میں عیسائیت کا جو خطرہ ان پر تلوار کی طرح سر پر لٹک رہا تھا، وہ اس کو بھول گئے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کا تفوق ظاہر کرنے یا زیادہ سے زیادہ حکومت سے لینے یا اپنے قبیلے کے مفاد کی حفاظت میں لگ گئے۔ آج عالمِ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ کسی بھی ملک کے استحکام کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہوتی ہے' اس کے مقابلے میں دیگر تمام چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ عالم اسلام کو کسی بھی انتشار سے بچانے کے لیے اصلاحِ معاشرہ کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اس لیے معاشرہ کو گروہ بندیوں کے انتشار سے ہر صورت میں محفوظ رکھا جائے۔ عالم اسلام کے استحکام' وحدت اور اس کی سالمیت کو ہر قیمت پر یقینی بنایا جائے۔ یہ نہ دیکھا جائے کہ کس جماعت کو کریڈٹ ملتا ہے۔ اس کی فکر ہونی چاہیے کہ سر سلامت رہے' اس پر عزت کا تاج کس ہاتھ سے رکھا جائے' مفادِ عامہ کو نظر انداز کر کے جماعتی سطح پر کام نہ کیا جائے۔ رضائے الٰہی' حکمت دینی' وقت کے تقاضے اور دنیا کے ماحول کو پیشِ نظر خطرات کو سامنے رکھ کر اخلاص و ایثار سے کام کیا جائے اور صرف اللہ سے اجر کے طالب اور امیدوار' اور **قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ** (اللہ کے لیے کھڑے ہونے والے اور حق و انصاف کی گواہی دینے والے) بن کر کام کریں لہٰذا ملت کے مفاد کو ذاتی' جماعتی اور برادریوں کے مفاد پر ہمیشہ مقدم رکھا جائے' کیونکہ جماعتیں ملت کے لیے ہیں نہ کہ ملت جماعتوں کے لیے۔[11] آج صورت حال یہ ہے کہ ہماری نگاہیں شرم سے جھک جاتی ہیں اور ہم کسی کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے معاشرے میں معیاری اسلامی زندگی پائی جاتی ہے اور یہ وہ معاشرہ ہے جہاں چوری' دھوکہ' اور فسق و فجور نہیں ہوتا۔ یہ معاشرہ دولت اور دُنیوی کامیابی ہی کو سب کچھ نہیں سمجھتا۔[12]

خیر القرون کا عصرِ حاضر سے تقابل

شیخ ندویؒ اسلام کے ابتدائی دور کی معاشرتی زندگی کا عصرِ حاضر سے تقابل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج بھی لوگ تراشیدہ اور ناتراشیدہ بتوں کے سامنے سربسجود ہیں' آج بھی الٰہ واحد کی بندگی اجنبی و نامانوس ہو رہی ہے' آج بھی غیر اللہ کی عبادت و طاقت کا بازار گرم ہے' آج بھی خواہشاتِ نفس کا بت بر سرِ راہ پوجا جا رہا ہے۔ آج بھی اَحبار و رہبان (عالم و درویش) ملوک و سلاطین' صاحب طاقت اور اہلِ دولت' زعما و قائدین' سیاسی جماعتیں اور ان کے لیڈر' ارباب من دون اللہ بنے ہوئے ہیں' جن کے لیے ویسی ہی قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں اور ان کے آستانوں پر اسی طرح سے ناصیہ فرسائی ہو رہی ہے' جیسے معبودانِ باطل کے سامنے ہوتی تھی۔ آج عالمِ انسانیت اپنی وسعت' وسائل سفر کی فراوانی' نقل و حرکت کی آسانی' اور اقوام و ممالک کے قرب و اتصال کے باوجود پہلے سے کہیں زیادہ تنگ ہے۔ اس وقت کا مادہ پرست انسان دنیا میں کسی دوسرے کی ہستی کو تسلیم نہیں کرتا اور اپنے فوائد' خواہشاتِ نفس اور خود پرستی کے سوا اس کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔ خود غرضی نے اس کی بھی گنجائش نہیں چھوڑی کہ کسی لمبے چوڑے ملک میں دو آدمی بھی زندہ رہ سکیں۔ تنگ نظر وطن پرستی ہر ایسے انسان کو جو اس کے وطن کے باہر پیدا ہو جانے کا قصوروار ہے' نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے' اس کے ہر کمال کی منکر ہے اور اس کو ہر حق سے محروم کرتی ہے۔

صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک دو برس کے قلیل عرصہ میں جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ اکیس برس کے اندر کیوں نہیں ہوئے؟ اس لیے کہ اس عرصہ میں کفارِ مکہ کو مدینہ طیبہ کے مہاجر مسلمان بھائیوں سے ملنے جلنے کی آزادی تھی۔ اس دوران انہوں نے مسلمانوں کی زندگی کو قریب سے دیکھا اور اس کے نتیجے میں ایمان ان کے دل میں اُترتا جاتا تھا کیونکہ ان کی زندگی میں عملی طور پر انقلاب آچکا تھا اور وہ مشاہدہ کر چکے تھے کہ مدینہ طیبہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان فرشتوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔ مہمان کو کھانا کھلانے کے لیے اپنے بچوں کو بھوکا رکھتے ہیں' مہمانوں کو اطمینان دلانے کے لیے پھونک مار کر چراغ بجھا دیتے ہیں اور اپنے بچوں کے سامنے سے روٹی اُٹھا کر ان پردیسی مسافروں کے سامنے رکھ دیتے ہیں جن سے ان کے دین کا اختلاف ہے۔ (۱۳)

یہ انسانی معاشرہ ایک بے خار گلدستہ بن گیا تھا جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لیے باعث زینت تھی اور نوع انسانی کے افراد ایک خاندان میں تبدیل ہو گئے تھے۔سوائے تقویٰ کے کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہ تھی' کیونکہ حضور ﷺ نے ہمہ قسم جتھہ بندی کے نعروں کو ممنوع اور جاہلی حمیت کو بھی ناجائز قرار دیا۔حضور ﷺ کے قائم کردہ اسلامی وفلاحی معاشرے میں مختلف طبقے شیر وشکر ہو گئے تھے اور ایک دوسرے کا سہارا بن گئے تھے۔ یہ انقلاب ان میں کیونکر پیدا ہوا؟ یہ سب اسلام کا کرشمہ ہے۔ مولانا علی میاںؒ عالم اسلام کو جھنجھوڑتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر آپ کے اندر بھی دولت کی لائی ہو ساری خرابیاں موجود ہیں' آپ کے اندر بھی حق کے خلاف کہنے اور چلنے کی صلاحیت موجود ہے' آپ بھی عقیدہ پر پیسے کو ترجیح دیتے ہیں' آپ پیسے کو صداقت پر ترجیح دیتے ہیں' آپ پیسے کو انصاف پر ترجیح دیتے ہیں' آپ کے اندر بھی وہی نسلی' خاندانی' صوبائی اور لسانی تعصب ہے جو دیگر ممالک کی مختلف قوموں' نسلوں اور مختلف زبانیں بولنے والوں میں پایا جاتا ہے تو دنیا کی کوئی قوم اور کوئی ملک بھی آپ کو خرید کر اپنے اغراض کے لیے آلہ کار بنا سکتا ہے۔ان حالات میں ہم اسلام کی نمائندگی کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ ہم دنیا کے دیگر ممالک سے آنے والے ان سیاحوں' مؤرخوں اور مبصروں کو مایوس کریں گے۔ وہ آکر دیکھیں گے کہ یہاں وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو کسی غیر اسلامی ملک میں ہوتا ہے' بلکہ بعض ترقی یافتہ اور آزاد ملکوں کا سیاسی شعور اور شہری احساسِ ذمہ داری جو بہت سی پستیوں' بہت سی بدعنوانیوں سے ان کو روکتا ہے' یہاں وہ بھی نہیں ہے۔ یہ معیاری زندگی اور آئیڈیل معاشرہ جب تک آپ دنیا کے سامنے پیش نہ کریں تبدیلی نہیں لا سکتے۔ (۱۴) لہٰذا ہمیں مولانا کی مذکورہ تحریروں سے یہ درس ملتا ہے کہ اُمت مسلمہ میں اگرچہ نظریاتی اور عملی اختلاف ممکن ہے لیکن اس اختلاف کو اختلاف کی جگہ پر رکھتے ہوئے مسلمانوں کو فرقوں اور گروہوں میں نہ بانٹا جائے۔

نئی نسل کی فکری راہنمائی میں مدارس کا کردار

مولانا کے خیال میں معاشرے کے استحکام کے لیے نوجوان نسل کے مزاج کو راہِ راست پر لانے کی ضرورت ہے' کیونکہ جب معاشروں کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں تو ان کے مزاج بھی بگڑ جاتے ہیں اور یہ صورت حال بڑی خطرناک ہوتی ہے۔ فاسد الاخلاق معاشروں کے مقابلے میں فاسد المزاج معاشروں کا علاج زیادہ مشکل ہوتا ہے۔مزاج کی خرابی کی بہت سی صورتیں ہیں'ان میں ایک شکل اپنی جنت کو دوسرں کے ہاتھوں کی لکیروں میں تلاش کرنا بھی ہے۔ جب قومیں اپنی جنت اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں تلاش کرنا سیکھ لیتی ہیں اور اپنے فکر کی صلاحیت اور صداقت کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں تو پھر ان پر کامیابیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔قوموں میں یہ شعور بیدار کرنے اور اسے جلا دینے میں سب سے بڑا محرک تعلیمی'تحقیقی اور تربیتی ادارے ہوتے ہیں۔ یہ ادارے وہ مراکز ہیں جہاں کی درس گاہوں میں نئی نسل کے افکار کی صورت پذیری ہوا کرتی ہے۔ یہ صورت پذیری اسی صورت میں ممکن ہے جب ان اداروں کو نیا اور تازہ خون میسر آتا رہے۔ تازہ خون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ان کی مراد اداروں میں موجود وہ افراد ہیں جو سچی علمی تحقیق کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنا کارِ منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔ ایسے افراد کے بغیر ان اداروں کا وجود بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اور مطلوبہ نتائج کا حصول بے سود ہو جاتا ہے۔ مولانا تعلیمی اداروں اور مدارس کی افسردہ فضا کا شکوہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی مدرسہ کے لیے اس سے بڑھ کر قابل احتجاج اور قابل اعتراض لفظ ہی نہیں ہو سکتے کہ وہ محض ایک دار الآثار یا کسی قدیم عہد کی یادگار ہے۔ میں اس کو مدرسہ کے حق میں ازالہ حیثیت عرفی کے مترادف سمجھتا ہوں۔ میں مدرسہ کو ہر مرکز سے مستحکم، طاقتور، زندگی کی صلاحیت رکھنے والا اور حرکت ونمو سے لبریز سمجھتا ہوں۔ اس کا ایک سرا نبوت محمدی ﷺ سے ملا ہوا ہے اور دوسرا سرا اس زندگی سے۔ وہ نبوتِ محمدی ﷺ کے چشمۂ حیواں سے پانی لیتا ہے اور زندگی کے ان کشت زاروں میں ڈالتا ہے، وہ اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کے کھیت سوکھ جائیں اور انسانیت مرجھانے لگے۔ نہ نبوتِ محمدیؐ کا دریا پایاب ہونے والا ہے، نہ انسانیت کی پیاس بجھنے والی ہے۔ نہ نبوتِ محمدیؐ کے چشمہ فیض سے بخل اور انکار ہے، نہ انسانیت کا کاسۂ گدائی کی طرف سے استغناء کا اظہار۔ ادھر سے اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ ' کی صدائے مکرر ہے تو ادھر سے هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ' هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ '' کی فغانِ مسلسل۔ مدرسہ سے بڑھ کر دنیا میں کون سا زندہ، متحرک اور مصروف ادارہ ہو سکتا ہے؟ زندگی کے مسائل بے شمار، زندگی کے تغیرات بے شمار، زندگی کی ضرورتیں بے شمار، زندگی کے رہزن بے شمار، زندگی کی تمنائیں بے شمار، زندگی کے حوصلے بے شمار۔ مدرسہ نے جب زندگی کی رہنمائی اور دستگیری کا ذمہ لیا تو اسے اب فرصت کہاں؟

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ''مدارس جو کبھی طاقت اور زندگی کا مرکز تھے، اور جہاں انقلاب آفرین شخصیتیں پیدا ہوتی تھیں، وہ مایوسی، افسردہ اور احساسِ کہتری کا شکار ہیں۔ آج مدارس کی تعداد میں، درس کی کتابوں کی تعداد میں، کتب خانے کے مندرجات کی تعداد میں، وظائف کی تعداد میں، بہت بڑا اضافہ ہے مگر زندگی کی نبض سست اور قلب کی دھڑکن کمزور ہے۔ کوئی حساس دردمند کبھی کبھی اس طرف نکل جاتا ہے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، اور وہ اس بحر کا ہل کو دیکھ کر کہنے لگتا ہے: ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے ۔۔۔ کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں!
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ، کہ تو ۔۔۔ کتاب خواں ہے، مگر صاحبِ کتاب نہیں!

لیکن اب تو مدارس کے حق میں کسی طوفان سے آشنا ہونے کی دعا کرتے ہوئے بھی دل ڈرتا ہے۔ آج مدارس میں طوفان کے آثار نظر آتے ہیں، لیکن یہ باہر کے طوفان کے تھپیڑے اور موجیں ہیں جو مدارس کے درودیوار سے ٹکرا رہی ہیں، یہ باہر کے ہنگاموں اور سطحی اور عوامی تحریکات کی صدائے بازگشت ہے، جس میں ہمارے مدارس کے طلبہ کا مقام محض نقال یا آلہ صوت کا ہے۔''

اس مقصد کے لیے مولانا نے نوجوانوں کو اپنے اندر درج ذیل صفات پیدا کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے:

(۱) ان کا وجود دوسروں کے لیے نافع ہو۔
(۲) طبیعت میں استغناء پیدا کیا جائے۔
(۳) اپنے شعبۂ علم میں صاحب کمال بنا جائے۔
(۴) اخلاص
(۵) جذبہ قربانی
(۶) جوہر ذاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۷) ذاتی محنت
(۸) عصر حاضر کے فتنوں کا ادراک
(۹) کیفیاتِ باطنی کا اہتمام
(۱۰) احساس کمتری سے حفاظت اور خود شناسی
(۱۱) زندگی کی رفاقت اور زمانے کے تقاضوں کی تکمیل
(۱۲) وسیع تیاریوں اور متنوع صلاحیتوں کی ضرورت
(۱۳) ملک کی زبان وادب سے رابطہ وتعلق اور اس میں کمال کی کوشش۔
(۱۴) عربی زبان پر قدرت اور بین الاقوامی زبانوں سے بھی واقفیت۔
(۱۵) فکرودعوت

تعمیرِ معاشرہ کے لیے مسلم نوجوانوں کی راہنمائی

طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کسی علم میں امتیاز واختصاص پیدا کریں تو آپ دنیا کی آنکھوں کا تارا بن جائیں گے۔ان سب پر مستزاد تزکیۂ باطن ہے جو اگر میسر نہ ہو تو بقول علی میاں کتاب وحکمت بھی ناقص رہ جاتے ہیں۔(۱۵)

اگر نوجوانانِ ملت اس لائحہ عمل کو اختیار کر لیں اور اسے اپنا نشانِ منزل بنالیں تو ہر طرح کے حالات میں اپنے باطنی جوہر کو محفوظ رکھ سکتے ہیں اور علم کا رشتہ اپنے رب سے جوڑ سکتے ہیں۔ جب علم کا رشتہ خالق کے ساتھ استوار ہو جائے گا تو پھر ہم ایک حقیقی اسلامی معاشرے کی تشکیل کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔مولانا کے نزدیک تعمیر معاشرہ کے لیے مسلم نوجوانوں کو ایک مردِ مؤمن کی مثال ہونا چاہیے' جو اقبال کے الفاظ میں درج ذیل صفات کا حامل ہو:؎

ہاتھ ہے اللہ کا' بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کارکشا' کارساز
خاکی و نوری نہاد' بندۂ مولا صفات
ہر دوجہاں سے غنی' اس کا دل بے نیاز
اس کی اُمیدیں قلیل' اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب' اس کی نگہ دلنواز
نرم دمِ گفتگو' گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو' پاک دل و پاکباز

مولانا کے خیال میں معاشرتی اور ملکی عدمِ استحکام کے لیے خطرات اور فتنے دو طرح کے ہوتے ہیں: خارجی اور داخلی۔ داخلی فتنے بعض اوقات خارجی فتنوں سے زیادہ خطرناک اور دور رس نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔ داخلی یا اندرونی کمزوریاں جب کسی معاشرے میں پیدا ہو جاتی ہیں تو اس معاشرے کو گھن کی طرح کھا جاتی ہیں' جیسے دیمک برگد یا املی کے درخت کو چاٹ جاتی ہے۔ بظاہر وہ مضبوط اور توانا کھڑا ہوا نظر آتا ہے لیکن دیمک اس کو اندر سے چاٹ چاٹ کر کھوکھلا کر چکی ہوتی ہے اور ہوا کا ایک تیز جھونکا اس کوہ پیکر درخت کو زمین بوس کر کے رکھ دیتا ہے۔

مولانا علی میاں فرماتے ہیں کہ انسانیت کی بقا کی حقیقی ضمانت جری' دلیر' جانباز اور دردمند انسان ہیں' جو زخمی دل' اشکبار آنکھیں' سلگتے اور جلتے ہوئے دل ودماغ رکھتے ہیں' جو ناسازگار حالات کا سامنا کریں' چوٹ کو برداشت کریں اور تاریخ کے دھارے کو بدلنے کے لیے جان کی بازی لگا دیں۔ جب کبھی اس جنس کی کمی نظر آتی ہے تو پورا سماج' پورا معاشرہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے —— پورے سماج میں چند درجن آدمی بھی ایسے نہ ہوں جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس ظلم کو اس سفاکی کو اس قساوت اور سنگدلی کو کمزوروں پر دست درازی کو ناپسند کرتے ہوں اور اپنی ناپسندیدگی کا اعلان کریں اور اس کو لے کر میدان میں آجائیں! ایسے افراد کی جب کسی سماج میں کسی معاشرہ میں کمی ہوتی ہے تو اس سماج اس معاشرہ اور اس سوسائٹی کو کوئی طاقت نہیں بچا سکتی ہے۔ حالات سے پنجہ آزمائی صرف وہ افراد کرسکتے ہیں جو ہمہ قسم خطرات کو مول لے کر زمانہ کا رُخ موڑ دیں تب جا کر انسانیت کی کھیتی ان کی قربانیوں اور جُہدِ مسلسل کے پانی سے ہری ہوگی۔ (١٦)

معاشرتی استحکام کے لیے خود احتسابی کی ضرورت

آج دنیا بھر میں بالخصوص عالم عرب / عالم اسلام میں کون سا ایسا معاشرہ ہے جس میں ظلم و ستم نفرت مختلف تعصّبات جماعتی گروہ بندیاں مذہبی اختلافات قتل و غارت لسانی و تہذیبی تعصّبات ریاستی بغاوت مالی لالچ بلیک میلنگ الیکٹرونک و پرنٹ میڈیا فحاشی مال و دولت ایجنسیوں جمہوریت بادشاہت نام نہاد انسانی حقوق فروغِ تعلیم علاج معالجہ طالبانائزیشن اور دیگر مختلف ہتھکنڈوں اور معاشرتی عدم استحکام کے ذریعے امن و امان کو تباہ و برباد کرکے وہاں کے مکینوں کی زندگی کو اجیرن نہیں کیا گیا؟ بقول شاعر ۔

میں نے دیکھی ہیں ہر اِک پھول کی آنکھیں پُرنم   کیسے کہہ دوں کہ گلستاں میں بہار آئی ہے!

ضرورت اس امر کی ہے کہ عالمِ عرب / عالمِ اسلام کے معاشروں کو ہمہ قسم داخلی و خارجی فتنوں سے بچایا جائے کیونکہ کسی بھی سلطنت کے استحکام کے لیے صحت مند معاشرے کا قیام ناگزیر ہوتا ہے۔ اس کے لیے معاشرے کے ہر فرد کو اپنا احتساب کرنا ہوگا کیونکہ دستِ قضا میں وہی قومیں صورتِ شمشیر رہا کرتی ہیں جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب کرتی ہیں لیکن عصر حاضر میں اصلاحِ احوال و معاشرہ کی بابت اصل تشویش اس وقت ہے کہ جب بگڑے ہوئے حالات سے پنجہ آزمائی کرنے فساد و انتشار پیدا کرنے والی طاقتوں سے آنکھیں ملانے والے اپنی سہولتوں عزتوں مال و دولت عہدہ منصب اولاد عزیز و اقارب اور اپنی نسلوں کو خطرہ میں ڈال کر میدان میں اُترنے والے نایاب ہوجائیں۔

مولانا عالم عرب و عالم اسلام سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ نفاذِ اسلام کے لیے وہ عالم اسلام میں معاشرتی استحکام کو بنیاد تصور کرتے تھے اس لیے انہوں نے اصلاحِ احوال کے لیے بالخصوص عالم عرب و عالم اسلام کو اپنی تقریروں و تحریروں ماذا اخسر العالم بانحطاط المُسلمین (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر) اسمعوها صريحة منى أيها العرب العسر بين الفكرة الاسلاميه والغربية (اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش) کے ذریعے جھنجھوڑا اور مفید مشورے دیے۔ لیکن اب وہ قیمتی مشورے کون دے گا؟ عالمِ عرب و عالمِ اسلام میں معاشرتی استحکام کے لیے حرمین شریفین میں بیٹھ کر کون دعائیں کرے گا؟ بقول جگر مرادآبادی ۔

جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ مجھے   مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

اور بقول امیر مینائی ۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر   سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!

اللہ تعالیٰ عالمِ عرب / عالمِ اسلام میں اتحاد و یگانگت پیدا فرمائے اور اسلامی معاشروں کو انتشار سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی وحوالہ جات

(۱) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حدیث پاکستان، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۹ء، ص ۵۸۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے:

(i) مولانا ابوالحسن علی ندوی، تحفہ پاکستان، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد، کراچی ۱۹۱۹ء، ص ۲۰، ۲۱۔

(ii) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، خطابات علی میاں ۱۸۶/۴ تا ۲۸۷

(iii) مولانا ابوالحسن علی ندوی، کاروان زندگی، ۲۰۶/۵

(iv) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حدیث پاکستان، مجلس نشریات اسلام کراچی، ص ۱۹۷۹ء، ص ۴۶ تا ۵۰

(۳) تفصیل کے لیے دیکھئے:

(i) مولانا ابوالحسن علی ندوی، کاروانِ زندگی، ۹/۵۷

(ii) سفیر اختر، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: حیات وافکار کے چند پہلو، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص ۲۰۶۔

(iii) مولانا ابوالحسن علی ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ۱۲۰ تا ۱۲۷۔

(۴) سفیر اختر، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حیات وافکار کے چند پہلو، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص ۲۰۶، ۲۰۷۔

(۵) تفصیل کے لیے دیکھئے:

(i) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حدیث پاکستان، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۹ء، ص ۲۰ اور ۵۶

(ii) سفیر اختر، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حیات وافکار کے چند پہلو، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص ۲۵۵۔

(۶) مولانا ابوالحسن علی ندوی، کاروانِ زندگی، ۲۰۵/۵۔

(۷) مولانا ابوالحسن علی ندوی، تحفہ پاکستان، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۶۸۔۶۹

(۸) تفصیل کے لیے دیکھئے:

(i) مولانا ابوالحسن علی ندوی، حالات کا نیا رخ اور علماء ودانشور طبقہ کی ذمہ داریاں

(ii) مولانا ابوالحسن علی ندوی، ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن علی گڑھ، ۲۰۱۴ء، ص ۱۱۔۱۲

(iii) مولانا ابوالحسن علی ندوی، کاروانِ زندگی، ج ۳، ص ۳۲، ۱۷۷

(iv) مولانا ابوالحسن علی ندوی، عالم عربی کا المیہ، ص ۱۶۱۔۱۶۰

(v) مولانا ابوالحسن علی ندوی، پاجا سراغ زندگی، ص ۹۱

(۹) ملاحظہ کیجیے:

(i) مولانا ابوالحسن علی ندوی، کاروان زندگی، ج ۳، ص ۳۷

(ii) سفیر اختر، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حیات وافکار کے چند پہلو، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ص ۲۰۶، ۲۵۴، ۲۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۰) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حدیث پاکستان، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۷۹ء، ص ۳۶ تا ۵۷۔

(۱۱) تفصیل کے لیے دیکھئے:

(i) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حدیث پاکستان، مجلس نشریات اسلام، کراچی ۱۹۷۹ء، ص ۱۶۔۱۹

(ii) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ص ۴۲۲۔۴۲۳

(iii) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، کاروان زندگی، ج ۵، ص ۲۰

(iv) سفیر اختر، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حیات و افکار کے چند پہلو، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ص ۱۸۷، ۱۹۵ اور ص ۲۵۵۔۲۵۶

(۱۲) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، ناظم آباد، کراچی، ص ۳۹۷۔۳۹۸۔

(۱۳) تفصیل کے لیے دیکھئے:

(i) مولانا ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی، ص ۱۳۴ تا ۱۳۶ اور ص ۳۹۷۔۳۹۸۔

(ii) علامہ ابوالحسن علی ندوی، حالات کا نیا رُخ اور علماء و دانشور طبقہ کی ذمہ داریاں، ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن علی گڑھ، ص ۱۳۔

(۱۴) تفصیل کے لیے دیکھئے:

(i) مولانا ابوالحسن علی ندوی، تحفہ پاکستان، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۲۶۔

(ii) مولانا ابوالحسن علی ندوی، جب ایمان کی یاد بہار چلی، ص ۲۹۱ تا ۲۹۳

(iii) مولانا ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد، کراچی، ص ۴۰۳، ۴۰۴۔

(iv) پا جا سراغ زندگی، ص ۹۰، ۹۱، ۹۶، ۹۷

(۱۵) تفصیل کے لیے دیکھیے:

(i) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، کاروانِ زندگی، ج ۲، ص ۲۶۵، ج ۶، ص ۲۶۵، ج ۳، ص ۶۲۔۶۱

(ii) سفیر اختر، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حیات و افکار کے چند پہلو، ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ص ۲۵۶، ۲۵۷

(iv) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حدیث پاکستان، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۹ء، ص ۱۱۸ تا ۱۳۰

(۱۶) علامہ ابوالحسن علی ندوی، حالات کا نیا رُخ اور علماء و دانشور طبقہ کی ذمہ داریاں، ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر فاؤنڈیشن علی گڑھ، ص ۹، ۸۔

❀❀❀

© rasailojaraid.com